مرثیہ نگاری کا فن

جتنا درد و اثر مرثیے میں پایا جاتا ہے اتنا کسی اور صنفِ سخن میں نہیں پایا جاتا۔ مرثیہ وہ پُرتاثیر آواز ہے جو کسی دُکھے ہوئے دل سے بے ساختہ نکلتی ہے اور دلوں میں اتر جاتی ہے۔ اس سے زیادہ دل کو دکھانے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسے ہم جی جان سے چاہیں وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جُدا ہو جائے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جب ایسا ہوتا ہے تو منہ سے موزوں کلمات ادا ہوتے ہیں۔ کسی عورت کو اپنے عزیز کی موت پر بین کرتے کس نے نہ دیکھا ہو گا۔ اس بین میں ایک دردناک لے بھی ہوتی ہے، دلی صدمے کا اظہار بھی ہوتا ہے اور مرنے والے کی خوبیوں کا بیان بھی۔ یہی بین مرثیے کی ابتدائی شکل ہے۔ جب یہ پوری طرح شعر کے سانچے میں ڈھل گیا تو مرثیہ کہلایا۔ اور مرثیہ وہ صنفِ شاعری ہے جو دنیا کی ہر زبان میں شاید سب سے پہلے وجود میں آئی۔

لیکن یہاں جس مرثیے کا ذکر ہو رہا ہے وہ شخصی مرثیہ ہے جیسے کہ عربی زبان میں رقاشی نے جعفر برمکی کا مرثیہ لکھا۔ یا مثلاً حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت نے اپنے بھائی کا مرثیہ لکھا تھا جسے وہ پڑھتی اور سننے والوں کو رُلاتی پھرتی تھی۔ فارسی زبان میں شیخ سعدی نے مستعصم باللہ کا مرثیہ لکھا تھا، انگریزی زبان میں گرے نے ان بدنصیبوں کا مرثیہ لکھا جنھیں لوگ جانتے بھی نہیں۔ خود ہماری زبان میں حالی نے غالب کا اور اقبال نے داغ کا مرثیہ لکھا لیکن ہماری زبان کے وہ مرثیے خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو سانحۂ کربلا پر لکھے گئے اور جن میں حضرت امام حسین اور اُن کے رفیقوں کی شہادت کا بیان ہے۔ اور یہاں اسی مرثیے سے سروکار ہے۔ اس مرثیے کو کربلائی مرثیہ کہا جا سکتا ہے۔

مرثیے کی تعریف : مرثیہ شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی تعریف کی گئی ہو اور اس کی موت پر اظہارِ غم کیا گیا ہو۔ مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی

ہیں کسی کی موت پر رونا۔ جب اس لفظ کا استعمال شروع ہوا اس وقت صرف شخصی مرثیے موجود تھے۔ سانحۂ کربلا سے متعلق مرثیے بعد کو لکھے گئے اور ہماری زبان میں ان کا اتنا رواج ہوا کہ مرثیے کا ذکر آئے تو ذہن شخصی مرثیے کی طرف نہیں بلکہ کربلائی مرثیے کی طرف ہی منتقل ہوتا ہے۔ شخصی مرثیے کے برخلاف اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس میں صرف اظہارِ غم اور مرنے والے کی تعریف و توصیف ہی نہیں ہوتی بلکہ سانحۂ کربلا سے متعلق تمام واقعات ہوتے ہیں مثلاً حسینی قافلے کی مدینے سے روانگی، جنابِ حر کا راستہ روکنا، میدانِ کربلا میں پہنچ کر خیمے نصب کرنا، وہاں کے مختلف مناظر، جنگ اور شہادت۔ یہی نہیں بلکہ حضرت قاسم کی شادی کا ذکر بھی کربلائی مرثیے کا ایک اہم حصّہ ہے۔

تاریخی پس منظر : سرزمینِ کربلا پر رسول پاک کے نواسے حضرت امام حسین اور ان کے عزیزوں اور رفیقوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے خون سے تاریخ اسلام کا جو خوں چکاں باب رقم کیا گیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ امیر معاویہ کے بعد ان کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اب خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی تھی۔ جو لوگ خوشی سے بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے ان پر سختی کی گئی۔ حضرت امام حسین کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ ان کے ساتھ چالاکی سے کام لیا گیا۔ اہلِ کوفہ کی طرف سے انھیں خطوط بھجوائے گئے کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے یزید سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ حضرت امام حسین نے اپنے قریبی عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ سفر کی تیاری شروع کردی۔ ان کے ایک عزیز مسلم بن عقیل حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے دو بیٹوں کے ساتھ پہلے ہی کوفے کی سمت روانہ ہوگئے۔ حسینی قافلہ راستے ہی میں تھا کہ ان تینوں بے گناہوں کی شہادت کی خبر ملی۔

جنابِ امام نے سفر جاری رکھا۔ آگے چل کر ایک یزیدی لشکر کا سامنا ہوا جس کے سردار جنابِ حر تھے۔ اس یزیدی لشکر کا مدعا یہ تھا کہ حسینی قافلے کو نہ تو واپس جانے دیا جائے، نہ کسی اور سمت کا رخ کرنے دیا جائے بلکہ اسے گھیر کر کربلا کے میدان کی طرف لے جایا جائے۔ اتفاق یہ کہ حر کے لشکر میں پانی ختم ہوگیا۔ حضرت امام حسین نے نہ صرف حر کے سپاہیوں بلکہ مویشیوں تک کو سیراب کردیا۔ محرم کی دوسری تاریخ کو حسینی قافلہ کربلا کے میدان میں پہنچا۔ انھیں دریا کے کنارے خیمے نہیں لگانے دیے گئے۔ ساتویں تاریخ کو یزید کی فوجوں نے دریا کے کنارے پہرہ سخت کرکے جناب امام اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردیا۔

اس درمیان جناب امام پر یزید کی بیعت کے لیے دباؤ ڈالا جاتا رہا مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے یزیدی فوج کا سردار عمر ابن سعد تھا۔ اس کی مدد کے لیے چاروں طرف سے یزیدی فوجیں برابر چلی آتی تھیں۔ ادھر پیاس کی شدت سے رفقائے امام کا بُرا حال تھا۔ بچوں کی حالت اور بھی غیر تھی۔ جناب امام کی بیٹی سکینہ پیاس سے بیقرار ہوئیں تو حضرت عباس جنگ کرتے ہوئے پانی لینے گئے اور شہید ہوئے حضرت امام حسین کے شیر خوار بیٹے علی اصغر پیاس سے بے حال ہو گئے تو جناب امام انھیں لے کر گئے کہ شاید بچے کو دیکھ کر ان ظالموں کو ترس آجائے مگر ہوا یہ کہ ایک تیر ان کے حلق میں پیوست کر دیا گیا۔ محرم کی دس تاریخ قیامت کا دن تھا۔ جنگ کی تیاریاں مکمل تھیں مگر حضرت امام حسین نے صلح کی آخری کوشش کی اور یزیدی فوج کے روبرو ایک معرکۃ آرا خطبہ دیا۔ اور کسی پر تو کوئی اثر نہ ہوا مگر جناب حر امام کی فوج سے آملے۔ جنگ ہوئی اور عابد بیمار کے سوا سب مرد شہید کر دیے گئے۔ اس کے بعد اہل بیت کا اسباب لوٹا گیا، خیموں کو آگ لگائی گئی۔ خواتین پر ظلم کیے گئے اور انھیں گرفتار کر کے یزید کے دربار میں لے جایا گیا۔ کربلائی مرثیہ اسی دردناک داستان کی یاد دلاتا ہے۔

مرثیے کے موضوعات : کربلائی مرثیہ شخصی مرثیے کی طرح محدود نہیں۔ اس کے موضوعات کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ اس کا چند سطروں میں بیان کر دینا ممکن نہیں۔ بہرحال چند اہم موضوعات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین اور ان کے عزیزوں کی مدینے سے روانگی اس واقعے کا پہلا موضوع ہے۔ جناب امام اپنی ایک کم سن بیمار بیٹی صغرا کو ساتھ نہیں لے جاتے۔ وہ ساتھ چلنے کے لیے ضد کرتی ہے۔ یہ روانگی کے موضوع کا ہی ایک پہلو ہے۔ اگلا موضوع طویل سفر ہے۔ سفر کے دوران مسلم بن عقیل اور ان کے بچوں کی شہادت کی خبر بھی ایک اہم موضوع ہے۔ حر کا سدِ راہ ہونا، اس کے رسالے میں پانی کا ختم ہو جانا اور جناب امام کا دریادلی کا ثبوت دینا، کربلا پہنچنا، وہاں خیمے نصب کرنا، پانی کا بند ہونا، صلح کی کوششیں جنگ کی تیاریاں اور پھر جنگ، شہادت، کسی بہادر کی شہادت پر عزیزوں کے بین کربلائی مرثیے کے اہم موضوعات ہیں۔

مرثیہ نگاروں نے جا بجا مناظر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مرثیہ نگاروں کو نیک اور بد دونوں طرح کے کرداروں کی پیش کش کا موقع ملا ہے۔ مرثیے کے کرداروں میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی ہیں، کم سن بچے اور بچیاں بھی ہیں۔ غرض ان مرثیوں میں طرح طرح کے بے شمار کردار پیش

کیے گئے ہیں۔ جنگ مرثیے کا خاص موضوع ہے۔ اس لیے مختلف قسم کے آلاتِ حرب اور جنگ کے مختلف طریقے سبھی مرثیے میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی بے شمار الفاظ کا ذخیرہ بھی۔ گویا اس صنف نے ہماری زبان کو الفاظ و محاورات کا ایک بے پناہ ذخیرہ بھی عطا کیا۔

مختلف اصناف کا سنگم : جس مرثیے سے یہاں بحث ہے وہ صرف مرثیہ ہی نہیں بلکہ شاعری کی مختلف اصناف کا سنگم ہے۔ مطلب یہ کہ اس میں بہت سی اصناف گھل مل گئی ہیں۔ مرثیے کی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ کسی کی موت پر اظہارِ غم اور مرنے والے کی خوبیوں کا بیان۔ یہ دونوں چیزیں تو کربلائی مرثیے میں موجود ہیں ہی۔ اس کے علاوہ مثنوی کی جو بنیادی صفت ہے یعنی کسی واقعے کا تسلسل کے ساتھ بیان وہ بھی کربلائی مرثیے میں پائی جاتی ہے۔ مرثیے میں نیک انسانوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں گویا ان کی مدح کی گئی ہے۔ بدکردار لوگوں کے عیب بھی گنائے گئے ہیں گویا ان کی ہجو کی گئی ہے۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف بھی قصیدے کا ایک اہم حصّہ ہے۔ اس طرح مرثیے میں مدحیہ قصیدے اور ہجویہ قصیدے کی خصوصیات بھی داخل ہو گئیں۔ اردو مرثیے میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسے شعر ہیں جنھیں مرثیے سے الگ کر لیا جائے تو غزل کے شعر معلوم ہوتے ہیں یعنی وہ اپنے آپ میں مکمل اور پُرتاثیر ہیں۔ اس طرح مرثیہ مرثیہ ہونے کے علاوہ مثنوی، قصیدہ اور غزل بھی ہے۔

یہی نہیں بلکہ مرثیہ ڈراما بھی ہے کیونکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم واقعاتِ کربلا کا بیان نہیں سن رہے بلکہ سارے واقعات پیش آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ مرثیہ المیہ یعنی ٹریجڈی بھی ہے کیونکہ سارے واقعے پر شروع سے آخر تک ایک حزنیہ کیفیت چھائی ہوتی ہے۔ آخر میں جب بین و بکا کا موقع آتا ہے تو کتھارسس کی شرط بھی پوری ہو جاتی ہے۔ ایپک یعنی رزمیہ کی کسوٹی پر بھی مرثیہ بڑی حد تک پورا اترتا ہے کیونکہ یہ ایک عظیم الشان ہستی (حضرت امام حسین) کی داستان ہے جس نے ایک عظیم الشان مقصد (اسلام کی سربلندی) کے لیے عظیم الشان طریقے سے جنگ کی۔

اردو شاعری کی تنگ دامانی کا گلہ ہر زمانے میں کیا جاتا رہا اور اس کے سر یہ الزام رہا، جو کسی حد تک درست بھی ہے کہ اس میں حسن و عشق کے جھوٹے قصوں، مبالغہ آرائی، جھوٹ اور خوشامد کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن مرثیے نے اس اعتراض کو غلط کر دکھایا۔ اس صنفِ سخن کے سبب اردو شاعری کا دامن اتنا وسیع ہو گیا جتنی کل کائنات۔ اردو مرثیے کے بارے میں نورالحسن نقوی نے درست ہی کہا ہے کہ ـــ

"شاعری کی مختلف اصناف میں جو خصوصیات الگ الگ پائی جاتی ہیں ان میں سے بیشتر مرثیے میں سما گئیں۔ اس نے المیہ سے انسانی مصائب کی پُر تاثیر پیش کش کا ہنر سیکھا۔ رزمیہ سے حق و باطل کی معرکہ آرائی مستعار لی۔ ڈرامے سے واقعات کی ہو بہو تصویر کشی کا فن لیا، مثنوی کے تسلسل بیان کی پیروی کی، قصیدے کا شان و شکوہ اپنایا، غزل سے حسن ادا لیا اور مرثیے کو فن کاری کے نصف النہار تک پہنچا دیا۔ ہمارے مرثیہ نگاروں کے خونِ جگر سے یہ صنف اردو شاعری کے لیے سرمایۂ افتخار ہو گئی اور بعض اعتبار سے غزل سے بھی کہیں زیادہ مقبول، اس سے کہیں زیادہ پُر اثر اور دل فریب!"

ہیئت: مرثیے کے لیے کسی خاص ہیئت یعنی فارم کی پابندی لازمی نہیں غزل، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، مربع کسی بھی فارم کو مرثیے کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مرثیے کو دراصل اس کے فارم سے نہیں بلکہ موضوع سے پہچانا جاتا ہے۔

ابتدائی دور میں بہت سے مرثیے غزل کی شکل میں لکھے گئے اور بہت بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ غالب نے عارف کا مرثیہ غزل ہی کی شکل میں لکھا ہے (لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور) غزل کے بعد مثنوی کا فارم مرثیے کے لیے بہت مقبول رہا۔ اقبال نے "والدۂ مرحومہ کی یاد میں" کے عنوان سے اپنی ماں کا مرثیہ مثنوی کے فارم میں ہی لکھا ہے۔ مرثیہ نگاروں نے ترکیب بند کو بھی استعمال کیا ہے۔ حالی نے غالب کا مرثیہ ترکیب بند کی شکل میں ہی لکھا ہے لیکن زمانۂ قدیم میں مربع کی شکل بہت مقبول رہی۔ مربع اس فارم کو کہتے ہیں جس میں متعدد بند ہوتے ہیں۔ پہلے بند کے چاروں اور اس کے بعد ہر بند کے پہلے تین مصرعے یکساں قافیہ ردیف میں اور چوتھا ٹیپ کا مصرع پہلے بند کے قافیہ و ردیف کے مطابق کہا جاتا ہے۔

آخر کار مرثیے کے لیے جو ہیئت سب سے زیادہ موزوں ٹھہری اور جس نے سب سے زیادہ رواج پایا وہ مسدس ہے۔ مسدس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چار مصرعے ایک قافیہ و ردیف میں اور باقی دو مصرعے مختلف قافیہ و ردیف میں۔ اس طرح ـــــ

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے   سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے

در پیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے گل چاک گریباں ہیں، صبا خاک بسر ہے

گل رو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں

سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

بعض ناقدوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے سودا نے مسدس کی شکل میں مرثیہ کہا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کیونکہ زمانہ قدیم کے بعض دکنی مرثیے بھی مسدس کی شکل میں ملتے ہیں۔ البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ سودا کے زمانے سے مسدس کی طرف زیادہ توجہ کی جانے لگی۔

اجزائے مرثیہ: اردو مرثیہ آہستہ آہستہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا اور اس کے موضوعات میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور مطالعے کے لیے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ حصے اجزائے مرثیہ کہلائے۔ میر ضمیر کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے مرثیے کے یہ اجزائے ترکیبی متعین ہو چکے تھے چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم، شہادت اور بین۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ اجزا تمام مرثیوں میں نہیں پائے جاتے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ اجزا موجود ہوں تو ان کی یہی ترتیب بھی قائم رہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے بھی مرثیہ نگاروں نے اکثر ان اجزا کو نظر انداز کیا۔ اب مرثیے کے اجزائے ترکیبی کی تعریف مختصر طور پر پیش کی جاتی ہے۔

چہرہ: مرثیے کے شروع کے وہ بند جو تمہید کے طور پر لکھے جاتے ہیں انھیں چہرہ کہتے ہیں۔ اس میں عام طور پر ایسے مضامین پیش کیے جاتے ہیں جن کا اس مرثیے کے بنیادی موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بعض مرثیہ نگاروں نے حمد و ثنا، نعت رسول، مدح اہل بیت، خود اپنی تعریف، دنیا کی بے ثباتی یا مختلف مناظر کو مرثیے کی تمہید کے طور پر پیش کیا ہے۔

سراپا: مرثیے میں جس مجاہد یا جن مجاہدین کے کارنامے پیش کیے جانے والے ہیں ان کے عادات و اطوار یا ان کے قد و قامت کا ذکر جس حصے میں کیا جاتا ہے وہ سراپا کہلاتا ہے۔

رخصت: حسینی فوج کا کوئی کردار جب اسلحہ جنگ سے آراستہ ہو کر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوتا ہے تو دیگر کرداروں سے رخصتی کلام کرتا ہے۔ وہ بھی دعائیہ کلمات کے ساتھ اسے رخصت کرتے ہیں۔ یہ حصہ رخصت کہلاتا ہے۔

آمد: حسینی فوج کا بہادر بڑی آن بان سے میدان جنگ میں پہنچتا ہے۔ اس کے انداز سے

دشمنوں پر خوف و ہراس چھا جاتا ہے۔ بہادر کے میدان میں پہنچنے کا جہاں ذکر ہوتا ہے وہ جزو آمد کہلاتا ہے۔ بعض مرثیہ نگاروں نے اسی مقام پر جنگ کے لیے تشریف لانے والے کا سراپا بھی بیان کیا ہے۔

رجز: عربوں میں دستور تھا کہ جنگجو جب جنگ کے لیے مقابل ہوتے تو اپنے اور اپنے بزرگوں کے کارنامے دہرا کر دشمن کو للکارتے تھے۔ مدعا یہ کہ طبیعت جوش پر آجائے۔ اس فخریہ بیان کو رجز کہتے ہیں۔

رزم: رجز کے بعد جنگ کا آغاز ہوتا ہے اور مرد مجاہد کے جنگ کرنے کا پورا حال تفصیل سے لکھا جاتا ہے اور اس طرح لکھا جاتا ہے کہ جنگ کی تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے۔

شہادت: مجاہد کی بہادرانہ جنگ کے بعد اس کی شہادت کا دردناک حال مرثیے کا اصل موضوع ہے جس میں مرثیہ نگار اپنی فنی مہارت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

بین: شہادت کے بعد اس کے لاشے کو خیمے میں یا اس کے نزدیک لے آتے ہیں۔ اس پر سب رونے لگتے ہیں۔ عورتیں بین و بکا کرتی ہیں۔ فضا سوگوار ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام: مرثیہ ہماری شاعری کی وہ صنف ہے کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ اس نے اردو شاعری کو نت نئے موضوعات عطا کیے اور وہ شاعری جس پر تنگ دامانی کی تہمت تھی موضوعات کی بے پناہ وسعت سے دوچار ہوئی۔ حادثۂ کربلا پر بے شک پہلے عربی اور پھر فارسی زبان میں مرثیے کہے گئے لیکن وہ اردو مرثیے کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے اور دنیا کی کسی اور زبان میں تو اس موضوع پر اور ایسے فن کارانہ مرثیے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اردو شاعری اس صنف پر جتنا بھی ناز کرے بجا ہے۔

* *